



کرایہ داری کے معاہدے میں اختیارات کی وضاحت، اجرت کی شرعی اہمیت اور اس کے اصول و ضوابط CLARIFICATION OF RIGHTS IN A RENTAL AGREEMENT, THE SHARIA IMPORTANCE OF RENT, AND ITS PRINCIPLES AND REGULATIONS

Dr. Hafiz Ashfaq Ahmad

Principal WFGHSS Takht Bhai District Mardan

Email: Ashfaqwfgs@gmail.com

Prof. Dr. Matloob Ahmad

(Corresponding Author), Islamic Studies Department, The University of Faisalabad

Email: dean.is@tuf.edu.pk

Abstract:

A rental agreement is a legal contract in which specific terms and conditions are agreed upon between the tenant and the landlord, under which the landlord agrees to lease their property. This agreement clarifies the rights and duties of both parties, and it is essential that these terms are formulated in accordance with Islamic principles and Sharia law to prevent any kind of deception or misunderstanding. Clarifying the rights in a rental agreement is important to ensure the protection of the rights of both parties. The tenant is entitled to use the property, but they are not permitted to use it for unlawful purposes. Similarly, the landlord has the right to intervene in the property, but this right is limited to specific actions, such as maintenance and repairs. By clarifying these rights in the agreement, both parties can avoid any potential disputes. In Islam, the importance of rent is significant because, according to Sharia, any service must be compensated with fair and agreed-upon payment. In a rental agreement, the rent must be clearly defined so that both parties have no ambiguity regarding the amount or the payment method. The tenant must be informed about how much rent they need to pay, and the timing and method of payment should also be clearly defined. Any discrepancy or unfairness in rent should be guided by Sharia to ensure that justice is maintained. Islamic jurisprudence outlines some key principles regarding rent that must be adhered to. First, the rent should be clearly defined and known. This means that the tenant and landlord must agree on the amount of rent and the conditions for payment. Secondly, the rent should not be subject to exploitation or unfair alterations. Sharia also dictates that the rent should not be determined in a way that exploits the tenant by charging excessively or undercharging the landlord unfairly. Understanding and adhering to the clarification of rights in a rental agreement, the Sharia importance of rent, and its principles and regulations not only reduces potential conflicts between the parties but also ensures justice within the Islamic economic system. Following Sharia guidance, the rental agreement should be transparent and fair, ensuring the protection of the rights of both the tenant and the landlord.

Keywords: Clarification, Rental Agreement, Regulations, Importance of Rent

کرایہ داری کا معاہدہ ایک ایسا قانونی معاہدہ ہے جس میں کرایہ دار اور مالک مکان کے درمیان مخصوص شرائط و ضوابط طے کیے جاتے ہیں، جن کے تحت مالک مکان اپنی جائیداد کرایہ پر دینے کے لیے رضامند ہوتا ہے۔ اس معاہدے میں دونوں فریقوں کے حقوق اور فرائض واضح کیے جاتے ہیں، اور یہ اہم ہے کہ ان شرائط کی تشکیل اسلامی اصولوں اور شریعت کے مطابق کی جائے تاکہ کسی بھی قسم کی دھوکہ دہی یا غلط فہمی سے بچا جاسکے۔ کرایہ داری کے معاہدے میں اختیارات کی وضاحت اہمیت رکھتی ہے تاکہ دونوں فریقوں کے حقوق محفوظ رہیں۔ کرایہ دار کو جائیداد استعمال کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، تاہم وہ اسے غیر قانونی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مالک مکان کو جائیداد میں مداخلت کا حق ہوتا ہے لیکن اس کا دائرہ محدود ہوتا ہے، جیسے کہ جائیداد کی مرمت اور دیکھ بھال۔ معاہدے میں ان اختیارات کی وضاحت سے فریقین کو کسی بھی قسم کے تنازعات سے بچا جاسکتا ہے۔ اسلام میں اجرت کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ شریعت کے مطابق کسی بھی خدمت کے بدلے اجرت دی جانی چاہیے، اور یہ اجرت منصفانہ، واضح اور متعین ہونی چاہیے۔ کرایہ داری کے معاہدے میں اجرت کی وضاحت ضروری ہے تاکہ دونوں فریقین کو اس بارے میں کوئی ابہام نہ ہو۔ کرایہ دار کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ وہ کتنا کرایہ ادا کرے گا، اور یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ کرایہ کی ادائیگی کے طریقے اور وقت کیا ہوں گے۔ اجرت میں کسی بھی قسم کی زیادتی یا کمی کے معاملے میں شریعت کی رہنمائی ضروری ہے تاکہ انصاف کا عمل قائم رہے۔ اسلامی فقہ میں اجرت کے لیے کچھ اہم اصول وضع کیے گئے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ اجرت متعین اور معلوم ہونی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کرایہ دار کو کرایہ کی رقم اور ادائیگی کی شرائط پر واضح طور پر اتفاق ہونا چاہیے۔ دوسرے، اجرت کی رقم میں زیادتی یا کمی کا تعلق کسی قسم



کے استحصال سے نہیں ہونا چاہیے۔ نیز، شریعت میں یہ بھی ضروری ہے کہ اجرت کا تعین اس بات پر نہ ہو کہ مالک مکان کو کم قیمت پر کرایہ پر دینا ہو گا یا کرایہ دار کو غیر منصفانہ طور پر زیادہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔ کرایہ داری کے معاہدے میں اختیارات کی وضاحت، اجرت کی شرعی اہمیت اور اس کے اصول و ضوابط کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا نہ صرف فریقین کے درمیان تنازعات کو کم کرتا ہے بلکہ اسلامی معاشی نظام میں انصاف کو بھی یقینی بناتا ہے۔ اس حوالے سے شرعی رہنمائی کے مطابق کرایہ داری کا معاہدہ ایک شفاف اور منصفانہ معاہدہ ہونا چاہیے تاکہ دونوں فریقوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

کرایہ داری کے عقد میں اختیارات

کرایہ داری کے عقد (معاہدے) میں اختیارات (اختیارات) کی تفصیل انتہائی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ دونوں فریقین (مالک مکان اور کرایہ دار) کے حقوق و فرائض کو واضح کرتی ہے۔ اسلامی فقہ میں کرایہ داری کے معاہدے میں کچھ مخصوص اختیارات اور شرائط ہیں، جو شریعت کی رو سے فریقین کے درمیان تنازعات کو کم کرنے اور انصاف کے اصولوں کو یقینی بنانے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ کرایہ دار کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ جائیداد کو اس مقصد کے لیے استعمال کرے جس کے لیے معاہدہ طے پایا ہو، مثلاً رہائش کے لیے اگر جائیداد کرایہ پر لی گئی ہے تو اسے رہنے کے مقصد کے لیے ہی استعمال کرے۔ اگر معاہدے میں یہ شرط شامل ہو کہ کرایہ دار جائیداد کی معمولی مرمت یا دیکھ بھال کرے گا، تو یہ اس کے اختیارات میں شامل ہوگا۔ لیکن اس کا دائرہ محدود ہوتا ہے اور یہ مرمت معمولی نوعیت کی ہونی چاہیے۔ کرایہ دار کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ کرایہ کے بدلے مکمل خدمات حاصل کرے، یعنی مالک مکان کی جانب سے کرایہ کی ادائیگی کے عوض اسے جائیداد کا پورا فائدہ ملے۔ مالک مکان کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جائیداد کا معائنہ کرے تاکہ یہ یقینی بناسکے کہ کرایہ دار نے جائیداد کا استعمال درست طور پر کیا ہے اور وہ معاہدے کی شرائط پر عمل کر رہا ہے۔ مالک مکان کے پاس یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جائیداد کی بڑی مرمت یا کوئی ضروری تبدیلی کرے، خاص طور پر جب وہ کرایہ دار کی سہولت کے لیے ضروری ہو۔ تاہم، اس میں کرایہ دار کی اجازت یا اطلاع کے بغیر کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ مالک مکان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ معاہدے میں طے شدہ کرایہ کی رقم وصول کرے۔ اگر کرایہ دار ادائیگی میں دیر کرتا ہے یا معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو مالک مکان کے پاس قانونی اختیارات ہوتے ہیں۔

کرایہ داری معاہدے میں شرعی اختیارات اور ضوابط

شریعت میں کرایہ داری کے معاہدے کو جائز اور قانونی حیثیت دی گئی ہے بشرطیکہ اس میں دونوں فریقین کی رضامندی ہو، اجرت متعین ہو اور کوئی دھوکہ دہی یا استحصال نہ ہو۔ کرایہ داری میں اجرت یا کرایہ کی رقم کا تعین شرعی طور پر مناسب، منصفانہ اور معقول ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں فریقین کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ معاہدے میں کرایہ کی رقم اور اس کی ادائیگی کے طریقہ کار کو واضح طور پر بیان کرنا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہو۔ شریعت کے مطابق اجرت کی مقدار اور اس کی ادائیگی کی مدت یا طریقہ کار میں کسی بھی قسم کی زیادتی یا کمی کو روکنے کے لیے ضروری رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ کرایہ داری کے معاہدے میں اختیارات کی وضاحت سے فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے تنازعات کو روکا جاسکتا ہے۔ جب دونوں فریقوں کو اپنی ذمہ داریوں اور حقوق کا علم ہوتا ہے، تو وہ آسانی سے کسی بھی مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔ شریعت کے اصولوں کے مطابق کرایہ داری کے معاہدے میں کوئی بھی شرعی خلاف ورزی نہ ہو، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے معاہدہ کے تمام نکات پر باہمی رضامندی سے اتفاق ہونا ضروری ہے۔ کرایہ داری کے معاہدے میں اختیارات کی تفصیل اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ دونوں فریقین اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کو درست طور پر سمجھیں۔ شریعت کی روشنی میں یہ اختیارات انصافی نظام کو برقرار رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور معاہدے کے تحت کسی بھی نوعیت کے تنازعات سے بچاؤ کی ضمانت دیتے ہیں۔ چنانچہ المحررات میں ہے:

و یثبت فی الاجارۃ خیبار الشرط والرؤیۃ والعیب کما فی البیع¹

"اور عقد اجارہ میں بھی خیبار شرط، خیبار رؤیت اور خیبار عیب ثابت ہے جیسا کہ بیع میں۔"

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ویصح شرط الخیار فی الاجارۃ²

¹ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المحررات، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2018، ج7، ص13

Ibn Najim, Zain Al-Din bin Ibrahim bin Muhammad, Al-Bahr Al-Raiq – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2018, Vol.7, p. 13

² المرغینانی، برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر، الہدایہ، مکتبہ رحمانیہ، 2020، ص40

Al-Marghinani, Burhan Al-Din Abu Al-Hasan Ali bin Abi Bakr, Al-Hidayah – Maktabah Rahmaniyyah, 2020, p. 40.



"اور صحیح ہے اجارہ میں خیار شرط رکھنا۔"

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وان تکاری داراً لم یرھا فله الخيار اذار آھا ولو رآھا قبل ذلك فلا خيار له فیھا الا ان یکون الھدم منها شیء یضر بالسکنی فحینئذ یتخیر بالتغیر ھکذا فی المبسوط³
اور اگر اس نے کوئی گھر کرایہ پر لیا جس کو اس نے پہلے دیکھا نہیں تھا، تو جب وہ اس کو دیکھے گا تو اس کو اختیار ملے گا۔ اور اگر اس نے یہ گھر اس سے پہلے دیکھا ہو تو اس میں اس کو اختیار نہیں ملے گا مگر یہ کہ اس گھر میں سے کوئی ایسی چیز گر جائے جس کا نہ ہوتا رہائش میں نقصان دہ ہو، اس صورت میں پھر اس کو تبدیلی کرنے کا اختیار ملے گا۔ اسی طرح مذکور ہے المبسوط کتاب میں

کرایہ داری میں مدت مقرر کرنے کی اہمیت

کرایہ داری کے معاہدے میں مدت مقرر کرنا ایک بہت اہم جزو ہے، کیونکہ یہ معاہدے کی قانونی حیثیت کو واضح کرتا ہے اور دونوں فریقین کے حقوق اور فرائض کو متعین کرتا ہے۔ کرایہ داری میں مدت کا تعین کئی لحاظ سے اہم ہے۔ کرایہ داری کی مدت طے کرنے سے کرایہ دار اور مالک مکان دونوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔ اگر مدت معین نہ ہو، تو دونوں فریقین کو اس بات کا ابہام رہتا ہے کہ کرایہ داری کب تک جاری رہے گی، جس سے بعد میں تنازعات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مدت کے تعین سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کرایہ دار کو کب تک جائیداد استعمال کرنے کا حق حاصل ہے اور مالک مکان کے پاس کب اس جائیداد کو واپس لینے کا حق ہے۔ کرایہ داری کے معاہدے میں مدت مقرر کرنا اس کی قانونی حیثیت کو مستحکم کرتا ہے۔ اگر مدت کا تعین نہ کیا جائے تو یہ معاہدہ غیر واضح ہو سکتا ہے اور فریقین کے لیے اس کا نفاذ مشکل ہو سکتا ہے۔ اسلامی شریعت میں بھی معاہدے کی مدت کا تعین ضروری سمجھا جاتا ہے، تاکہ دونوں فریقوں کے درمیان کسی بھی قسم کے معاہدے کی خلاف ورزی سے بچا جاسکے۔ مدت مقرر کرنے سے کرایہ دار کے لیے کرایہ کی ادائیگی کا شیڈول واضح ہوتا ہے۔ دونوں فریقین کو یہ علم ہوتا ہے کہ کرایہ کب تک ادا کرنا ہے، جس سے ادائیگی میں تاخیر یا تنازعات کا امکان کم ہوتا ہے۔ اس سے مالک مکان کو بھی یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ایک معین مدت تک کرایہ وصول کر سکے گا، اور اس کا مالی منصوبہ بندی میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔ کرایہ داری کے معاہدے میں مدت طے کرنے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر فریقین چاہیں تو مدت کے اختتام کے بعد معاہدہ تجدید کیا جاسکتا ہے یا توسیع کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں معاہدے کی شرائط اور اجرت کو دوبارہ طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے کرایہ دار اور مالک مکان دونوں کو مناسب وقت ملتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکیں اور اگر ضرورت ہو تو شرائط میں تبدیلی کر سکیں۔ مدت مقرر کرنے سے تنازعات کی روک تھام ہوتی ہے کیونکہ دونوں فریقین کو یہ علم ہوتا ہے کہ معاہدہ کب تک جاری رہے گا۔ اس سے فریقین کی توقعات واضح رہتی ہیں اور کوئی بھی فریق دوسرے کے حقوق پر ناجائز تجاوز نہیں کرتا۔ اگر مدت نہ ہو، تو کرایہ دار یا مالک مکان ایک دوسرے سے غیر متوقع طور پر جائیداد کی واپسی یا قبضہ لے سکتے ہیں، جس سے قانونی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسلامی فقہ کے مطابق، کرایہ داری کی مدت کا تعین ضروری ہے تاکہ دونوں فریقین کے حقوق اور فرائض واضح ہوں۔ شریعت میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ معاہدے میں کسی بھی قسم کا ابہام یا دھوکہ دہی نہیں ہونی چاہیے، اور مدت کا تعین اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ معاہدہ شفاف اور منصفانہ ہو۔ کرایہ داری میں مدت مقرر کرنا نہ صرف فریقین کے حقوق اور فرائض کو واضح کرتا ہے بلکہ یہ معاہدے کی قانونی حیثیت کو بھی مستحکم کرتا ہے۔ اس سے تنازعات کی روک تھام ہوتی ہے اور دونوں فریقین کو اپنے حقوق کے بارے میں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے معاہدے میں مدت کا تعین ایک بنیادی اور ضروری جزو ہے جو شریعت کی روشنی میں انصاف کو یقینی بناتا ہے۔

مدت مقرر کرنا، یہ اجارہ کی شرائط صحت میں سے ہے یعنی پراپرٹی کی کرایہ داری اسی وقت درست ہوگی جب اس میں مدت طے کی جائیگی۔ اس لیے یہ بہت اہم ضروری اور لازم ہے۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں:

و اما بیان المدة فهو مطلوب في واما اجارة الدور والمنازل والبيوت و الحوانيت⁴

³ محمد امین بن عمر الشہر مابین عابدین، فتاویٰ شامی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2016ء، ج 2، ص 419

Muhammad Ameen bin Umar, known as Ibn Abidin, Fatawa Shami – Zia-ul-Quran Publications, Karachi, 2016, Vol. 2, p. 419

⁴ وحبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، حافظی بکڈپو دیوبند، کراچی، 2017ء، ج 4، ص 238



اور بہر حال مدت بیان کرنا یہ مطلوب ہے گھروں، مکانوں، کمروں اور دکانوں کی کرایہ داری میں۔

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے:

منہا بیان المدة في الدور و المنازل و الحوانيت⁵

اور ان (شرائط) میں سے ہے مدت کا بیان کرنا گھروں مکانوں اور دکانوں (کے کرایہ) میں۔

صاحب تنویر الابصار فرماتے ہیں:

ويعلم النفع بيان المادة كالسكنى والزراعة مرة كذا⁶

اور نفع معلوم کیا جائے گا مدت کے بیان سے جیسا کہ رہائش اور زراعت اتنی مدت تک۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

ومنہا بيان المدة في إجارة الدور و المنازل و البيوت و الحوانيت و في استجارة الظهر لان المعقود عليه

لا يصير معلوم القدر بدونه فتترك بيانه يفضي إلى المنازعة⁷

اور ان (شرائط) میں سے ہے مدت کا بیان کرنا گھروں، مکانوں، کمروں اور دکانوں کی کرایہ داری میں اور دودھ پلانے والی کو معاوضہ پر

رکھنا۔ کیونکہ مدت مقرر کیے بغیر ان کی مقدار معلوم نہیں ہوگی۔ لہذا مدت کو بیان نہ کرنا جھگڑے تک پہنچا دے گا۔

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ مدت مقرر کرنا بہت ضروری اور اہم ہے۔

کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کی مقدار

کرایہ داری کے معاہدے میں مدت کا تعین کرنا ضروری ہے، لیکن اسلامی فقہ میں اس کی کچھ حدود بھی ہیں تاکہ دونوں فریقین کے حقوق محفوظ رہیں اور کسی بھی قسم کے استحصال سے بچا جاسکے۔ کرایہ داری کی مدت کو کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کی حدود میں سمجھنا اہم ہے۔ کرایہ داری کی کم سے کم مدت کی مقدار کا تعین بعض فقہی نقطہ نظر پر منحصر ہوتا ہے۔ تاہم، عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی فقہ میں کرایہ داری کی کم سے کم مدت کی کوئی مخصوص حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ تاہم، عموماً کم سے کم مدت ایک ماہ یا اس سے کم ہو سکتی ہے۔ یہ مدت کرایہ دار اور مالک مکان کے باہمی معاہدے پر منحصر ہے۔ بعض فقہاء کے مطابق، یہ مدت اتنی کم ہونی چاہیے کہ کرایہ داری کا معاہدہ مکمل طور پر اس میں کاروباری مقصد یا جائیداد کے استعمال کے لیے فائدہ مند ہو۔ کرایہ داری کے معاہدے میں کم سے کم مدت عارضی استعمال کے لیے بھی ہو سکتی ہے، جیسے کہ کرایہ دار کسی چھوٹے پروجیکٹ یا کام کے لیے جائیداد کرایہ پر لیتا ہے۔ ایسی صورت میں کم سے کم مدت چند دنوں یا چند ہفتوں کی ہو سکتی ہے۔ کرایہ داری کی زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں فقہ میں کچھ اصول وضع کیے گئے ہیں: عام طور پر کرایہ داری کی زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں کوئی خاص فقہی حد نہیں ہے، لیکن بعض فقہاء کے مطابق، یہ مدت 99 سال تک ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ مدت کے لیے کرایہ داری کا معاہدہ شریعت کے مطابق جائز نہیں سمجھا جاتا۔ 99 سال کی مدت دراصل زمین یا جائیداد کے طویل مدتی استعمال کے لیے ہوتی ہے، اور اس کو ایک طویل المدتی معاہدہ سمجھا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مدت کے بعد، معاہدے کی تجدید کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر معاہدہ ختم ہو چکا ہے،

Wahbah Al-Zuhayli, Al-Fiqh Al-Islami wa Adillatuh – Hafizi Book Depot, Deoband, Karachi, 2017, Vol. 4, p. 238

⁵ جماعتی، مولانا شیخ نظام، الفتاویٰ الہندیہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2003، ج 4، ص 411

Jama'ati, Maulana Sheikh Nizam, Al-Fatawa Al-Hindiyya, Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2003, Vol. 4, p. 411

⁶ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2018، ج 7، ص 799

Ibn Najim, Zain Al-Din bin Ibrahim bin Muhammad, Al-Bahr Al-Raiq – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2018, Vol. 7, p. 799

⁷ جماعتی، مولانا شیخ نظام، الفتاویٰ الہندیہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2003، ج 4، ص 415

Jama'ati, Maulana Sheikh Nizam, Al-Fatawa Al-Hindiyya, Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2003, Vol. 4, p. 415.



تو فریقین کو نئی شرائط اور مدت کے ساتھ دوبارہ معاہدہ کرنا پڑے گا۔ شریعت کے مطابق، کرایہ داری کا معاہدہ اتنی طویل مدت کے لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک مستقل ملکیت میں تبدیل ہو جائے، کیونکہ اس میں "غیبت" یا زمین پر قابض ہونے کے امکان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ کرایہ داری کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین فریقین کی باہمی رضامندی پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر دونوں فریقین کسی طویل مدت پر اتفاق کرتے ہیں اور شرعی اصولوں کے مطابق معاہدہ کرتے ہیں تو یہ قابل قبول ہے۔ کم سے کم مدت کا تعین اس بات پر منحصر ہے کہ کرایہ دار اور مالک مکان کے درمیان معاہدہ کس مقصد کے لیے کیا جا رہا ہے، اور اس کا تعین دونوں فریقوں کی ضروریات کے مطابق کیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین اسلامی فقہ میں 99 سال تک کیا گیا ہے، اور اس سے زیادہ کی مدت کا معاہدہ شریعت کے مطابق درست نہیں سمجھا جاتا۔ اس طرح، کرایہ داری کی مدت کا تعین فریقین کے حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری ہے، اور اسے اسلامی اصولوں اور شریعت کے مطابق قائم رکھنا اہم ہے۔

پراپرٹی کی کرایہ داری میں کم سے کم ایک دن کی مدت مقرر کرنا ضروری ہے۔ اس سے کم درست نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت سالوں تک کی مقرر کر سکتے ہیں، جیسے پانچ سال، دس سال، پچاس سال، نوے سال وغیرہ۔ البتہ وقف اور یتیم کی پراپرٹی کا حکم دوسرا ہے وہ آگے آ رہا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

يُصح العقد على مدة معلومة أي مدة كانت قصرت كالسنة أو طالت كالسنين⁸
"عقد اجارہ صحیح ہے متعین مدت پر، یہ مدت خواہ کتنی بھی ہو تھوڑی ہو"

جیسے ایک دن یا لمبی مدت ہو، جیسے کئی سال۔"

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

فيصح العقد على مدة معلومة أي مدة كانت لان المدقذا كانت معلومه كان قدر المنفعه فيها معلوماً ،
وقوله أي مدت كانت إشارة الى انه يجوز طالت المدة او قصرت لكونها معلومة والتحقيق الحاجة اليها⁹

"چنانچہ عقد صحیح سے متعین مدت پر وہ خواہ کتنی بھی ہو، کیونکہ مدت جب متعین ہوگی تو اس پراپرٹی میں منفعت کی مقدار بھی معلوم اور متعین ہوگی۔ اور اس کا قول اسی مدت کا انت "یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مدت لمبی ہو یا مختصر ہو جائز ہے کیونکہ متعین ہے اور اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ ایک دن سے سالہا سال تک کی مدت مقرر کر سکتے ہیں، میں مقرر ہونا ضروری ہے تھوڑی یا زیادہ۔

لائف ٹائم کے حساب سے مدت مقرر کرنا

فریقین (مالک مکان اور کرایہ دار) عام طور پر ضرورت کے لئے ہی کرایہ داری کا معاہدہ کرتے ہیں اور یہ ضرورت زندگی تک ہوتی ہے۔ موت کے بعد تو دو گز زمین کا ٹکڑا کافی ہو جاتا ہے۔ اب کرایہ داری میں اتنی مدت مقرر کرنا جتنی میں عام طور پر آدمی زندہ رہے یہ تو فقہاء اکرام کے ہاں بالاتفاق جائز ہے خواہ کئی سالوں پر محیط ہو۔ البتہ اتنی مدت مقرر کرنا جس میں عمومی طور پر فریقین زندہ نہیں رہیں گے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ علامہ ابن نجیم نے جواز اور عدم جواز کے دونوں قول ذکر کیے ہیں۔ البتہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس کے جواز پر اتفاق قرار دیا ہے لہذا ایسی مدت مقرر کرنا جائز ہے۔

⁸ المرغینانی، برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر، الہدایہ، مکتبہ رحمانیہ، 2020، ص 293

Al-Marghinani, Burhan Al-Din Abu Al-Hasan Ali bin Abi Bakr, Al-Hidayah – Maktabah Rahmaniyyah, 2020, p.293

⁹ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2018، ج 3، ص 33

Ibn Najim, Zain Al-Din bin Ibrahim bin Muhammad, Al-Bahr Al-Raiq – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2018, Vol.3, p. 33



البحر الرائق میں ہے:

وقال بعضهم لا يجوز ان يضرب الي مدة لا يعيش اليها عادة لان الغالب كا لمتحقق في حق الاحكام فصار كالثابت بعد فلا تجوز و به كان يفتى القاضي ابو عصمة وبعض العلماء يجوز ضرب المدة التي لا يعيش الي مثلها ومنهم الخصاص¹⁰

اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ اتنی مدت مقرر کرنا جائز نہیں ہے جتنا عرصہ میں عام طور پر ایک شخص زندہ نہ رہتا ہو۔ کیونکہ جس چیز کے ہونے کا غالب امکان ہو وہ احکام شرعیہ میں یقینی کی طرح ہوتی ہے۔ لہذا یہ معاہدہ بھی سے ایسا ہو جائیگا جیسا کہ دو انکی زندگیوں کے بعد کے لئے بھی ہے۔ اس لئے یہ جائز نہیں ہے اور قاضی ابو عصمہ بھی اس کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اتنی مدت مقرر کرنا جائز ہے جتنی تک یہ زندہ نہ رہتے ہوں، انہیں میں سے امام خصاص بھی ہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قوله وان طالت اى ولو كانت لا يعيشان الى مثلها عادة واختاره الخصاص ، منعه بعضهم (بحر)، وظاهر اطلاق المتن ترجيح الأول¹¹.

"(توبہ: اگرچہ مدت لمبی ہو) یعنی اگر اتنی ہی مدت ہو جتنی تک عام طور پر یہ دونوں فریق زندہ نہیں گے۔ اس قول کو اختیار کیا ہے امام خصاص نے اور بعض علماء نے اس سے منع کیا ہے (البحر) اور مختلف کتابوں کے متون کے مطلق ہونے سے ظاہر ہوتا کہ پہلا قول رائج ہے۔"

راقم کی رائے میں بھی علامہ شامی کی ترجیح کے مطابق اسکے جائز ہونے پر فتویٰ ہونا چاہیے۔ بالخصوص آج کے دور میں۔ کیونکہ کمپنی سطح کے کاروبار لانگ ٹرم ہوتے ہیں اس طرح کے کاروبار کے لئے کرایہ کی جگہ کے لئے معاہدہ دو آدمیوں کے درمیان نہیں بلکہ دو پارٹیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ پھر ایسے کاروبار تو چلتے رہتے ہیں۔ اسکی انتظامیہ ڈائریکٹر وغیرہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض معاہدے حکومتیں کرتی ہیں جس کے ارکان کی حکومتی زندگی صرف پانچ سال ہوتی ہے۔ ایسے معاہدے کی مثال جیسے بندرگاہ شاہراہی یا بین الاقوامی قسم کی کمپنیوں کے دفاتر وغیرہ کی کرایہ داری کا معاہدہ۔

یتیم بچے کی جائیداد میں زیادہ سے زیادہ مدت

یتیم بچے کی پر اپرٹی کے بارے میں اور وقف کی پر اپرٹی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کا متولی یہ پر اپرٹی زیادہ سے زیادہ تین سال تک کی مدت کے لئے کرایہ داری پر دے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں کیونکہ زیادہ لمبے عرصے تک ایک ہی شخص کرایہ دار رہے تو قبضہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے قبضہ سے بچانے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے۔ البتہ تین سال پورے ہونے کے بعد پھر نئے سرے سے معاہدہ کر لے تاکہ اگر کرائے بڑھ گئے ہوں تو اب نئے معاہدے سے زیادہ کرایہ پر دیا جاسکے۔

یتیم بچوں کی جائیداد یا ملکیت کے حوالے سے اسلام میں خاص احکام موجود ہیں تاکہ ان کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکے۔ اگر یتیم بچے کی جائیداد کرایہ پر دی جاتی ہے تو اس میں کچھ شرعی اصولوں کی پیروی ضروری ہے، خاص طور پر کرایہ داری کی مدت کے حوالے سے۔ شریعت میں یتیم بچے کی جائیداد کا خاص خیال رکھا گیا ہے تاکہ اس کی حفاظت اور حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ اگر یتیم بچے کی جائیداد کرایہ پر دی جاتی ہے، تو اس کی مدت طویل نہیں ہونی چاہیے تاکہ اس کا مال غیر منصفانہ طور پر ضائع نہ ہو۔ زیادہ تر فقہاء کا کہنا ہے کہ یتیم بچے کی جائیداد کو اس کی رضامندی سے طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینا درست نہیں، کیونکہ اس کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔ یتیم بچوں کی جائیداد میں زیادہ سے زیادہ کرایہ داری کی مدت عموماً محدود ہوتی ہے۔ اس کی مدت کا تعین اس بات پر ہوتا

¹⁰ محمد امین بن عمر الشہر مابن عابدین، فتاویٰ شامی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2016، ج2، ص6

Muhammad Ameen bin Umar, known as Ibn Abidin, Fatawa Shami – Zia-ul-Quran Publications, Karachi, 2016, Vol. 2, p. 6

¹¹ محمد امین بن عمر الشہر مابن عابدین، فتاویٰ شامی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2016، ج2، ص8

Muhammad Ameen bin Umar, known as Ibn Abidin, Fatawa Shami – Zia-ul-Quran Publications, Karachi, 2016, Vol. 2, p. 8



ہے کہ معاہدہ ان کے مفاد میں ہو اور ان کی جائیداد کو غیر منصفانہ طریقے سے استعمال نہ کیا جائے۔ عموماً یہ مدت ایک یا دو سال تک کی ہو سکتی ہے، اور اس کے بعد کرایہ داری کی تجدید یا دوبارہ جائزہ لیا جاتا ہے۔

وقف کی پراپرٹی میں زیادہ سے زیادہ مدت

وقف کی پراپرٹی ایسی جائیداد ہوتی ہے جسے کسی خاص مقصد کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے، جیسے کہ مسجد، مدرسہ یا غریبوں کی مدد کے لیے۔ وقف کی پراپرٹی کے کرایہ کے حوالے سے بھی شرعی اصول موجود ہیں جو اس کے طویل مدتی استعمال کو منظم کرتے ہیں۔ وقف کی پراپرٹی کو کرایہ پر دینے کی صورت میں اس کا مقصد ہمیشہ وقف کی اصل نیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ وقف کی پراپرٹی کے کرایہ کی مدت زیادہ سے زیادہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ وقف کے مقصد کو پورا کرنے میں معاون ہو۔ وقف کی پراپرٹی میں کرایہ داری کی مدت اسلامی فقہ کے مطابق 99 سال تک ہو سکتی ہے، لیکن اس سے زیادہ مدت کی کرایہ داری اسلامی طور پر پسندیدہ نہیں ہے۔ 99 سال کی مدت وقف کی جائیداد کے طویل المدتی استعمال کے لیے ایک جائز حد سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بعد کرایہ داری کا معاہدہ تجدید یا نیا معاہدہ کیا جاسکتا ہے، تاکہ وقف کے مقصد میں کوئی کمی نہ آئے اور جائیداد کی منتقلی یا تبدیلی میں بھی انصاف برقرار رہے۔ وقف کی پراپرٹی کے کرایہ پر دینے کے دوران اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کا کرایہ وقف کے اصل مقصد کے لیے استعمال ہو، نہ کہ جائیداد کا غلط استعمال ہو۔ اس لیے وقف کی پراپرٹی کی کرایہ داری میں بھی مدت کا تعین اس کی مقاصد کی تکمیل اور شریعت کے مطابق ضروری ہوتا ہے۔ یتیم بچے کی جائیداد میں کرایہ داری کی مدت عموماً محدود اور مختصر ہوتی ہے تاکہ ان کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور اس کی جائیداد کا استحصال نہ ہو۔ وقف کی پراپرٹی کی کرایہ داری میں زیادہ سے زیادہ مدت 99 سال ہو سکتی ہے، لیکن اس سے زیادہ کی مدت کرایہ داری میں نہیں رکھی جاتی تاکہ وقف کے مقصد کو صحیح طریقے سے پورا کیا جاسکے اور جائیداد کا صحیح استعمال ہو۔ لہذا، دونوں صورتوں میں مدت کا تعین اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ جائیداد کے صحیح استعمال اور اس کے اصل مقصد کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

الا ان في الاوقاف لا يجوز الاجارة الطويلة كيلا يدعى المستاجر ملكها وهي مازاد على ثلاث سنين وهو المختار¹²

مگر یہ ہے کہ املاک وقف میں طویل عرصہ کی کرایہ داری جائز نہیں ہے تاکہ کرایہ دار اس کے مالک ہونے کا دعویٰ نہ کر دے اور طویل کرایہ داری وہ ہے جو تین سالوں سے زیادہ عرصہ پر مشتمل ہو، یہی پسندیدہ اور مختار قول ہے۔

فتاویٰ شامیہ میں ہے:

ولم نز دفي الاوقاف على ثلاث سنين (في الضياع.
(قوله في الأوقاف) وكذا ارض اليتيم واكثر كلامهم على انه المختار المفتى به لوجود العلة فيهما وهي صوتهما عن دعوى الملكية بطول المدة بل هذا أولى. وصرح في الجوهرة بان ارض اليتيم كالوقف".

13

"اور وقف کی املاک میں تین سے زیادہ پر مدت مقرر نہیں کی جائیگی

جائیداد میں۔ (قولہ فی الاوقاف) اسی طرح یتیم کی پراپرٹی بھی۔ اور اکثر فقہاء کا قول یہی ہے کہ یہ پسندیدہ قول ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہو گا۔ کیونکہ علت دونوں میں پائی جا رہی ہے طویل عرصہ گزرنے کی بناء پر ملکیت کے دعویٰ سے اس پراپرٹی کو بچانا، بلکہ یتیم کی جائیداد کو بچانا زیادہ ضروری ہے اور الجوہرہ میں اس بات کی صراحت کے ساتھ وضاحت موجود ہے کہ یتیم کی پراپرٹی وقف کی پراپرٹی کی طرح ہے۔"

¹² المرغینانی، برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر، الہدایہ، مکتبہ رحمانیہ، 2020، ص 294

Al-Marghinani, Burhan Al-Din Abu Al-Hasan Ali bin Abi Bakr, Al-Hidayah – Maktabah Rahmaniyyah, 2020, p. 294

¹³ محمد امین بن عمر الشہیر مابن عابدین، فتاویٰ شامی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2016، ج 2، ص 180

Muhammad Ameen bin Umar, known as Ibn Abidin, Fatawa Shami – Zia-ul-Quran Publications, Karachi, 2016, Vol. 2, p. 180.



اسلامی معاشی نظام میں اجرت کے اصول

اسلامی معاشی نظام میں اجرت کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور اس کے تعین کے اصول شریعت کے تمام اہمیت والے احکام اور اخلاقی بنیادوں پر قائم ہیں۔ اسلام میں اجرت کا مقصد معاشرتی عدل اور انصاف کو فروغ دینا ہے تاکہ کام کرنے والے فرد کی محنت کی بھرپور قدر کی جاسکے اور کسی قسم کا استحصال یا ظلم نہ ہو۔ اسلامی معاشی نظام میں اجرت کے اصول درج ذیل اہم نکات پر مبنی ہیں۔ اسلام میں اجرت کا تعین واضح طور پر کیا جانا ضروری ہے۔ یہ اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ دونوں فریقین (مالک اور مزدور) کے درمیان کسی قسم کا ابہام نہ ہو اور کسی کو زیادتی کا سامنا نہ ہو۔ اجرت کو واضح طور پر متعین کیا جانا چاہیے، یعنی فریقین کو معلوم ہو کہ کس کام کے بدلے کتنی اجرت ادا کی جائے گی۔ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اجرت کا تعین اس طرح ہو کہ دونوں فریقین کے درمیان عدل قائم رہے۔ اجرت کی مقدار اس بات کے مطابق ہونی چاہیے کہ وہ کام کی نوعیت، محنت اور وقت کی قیمت کو انصاف کے مطابق پورا کرے۔ اسلامی معاشی نظام میں یہ بات یقینی بنائی جاتی ہے کہ کسی فرد کی محنت کو اس کے عوض مناسب اجرت دی جائے۔ شریعت کے مطابق، کسی کی محنت کی قیمت اس کی محنت اور اس کے کام کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہیے، اور یہ اجرت کسی قسم کے استحصال پر مبنی نہیں ہونی چاہیے۔ اسلام میں کسی بھی قسم کا استحصال حرام ہے۔ اس لیے اجرت کا تعین اس بات پر کیا جاتا ہے کہ محنت کے بدلے انصاف پر مبنی اور مناسب معاوضہ دیا جائے۔ اسلام میں یہ سختی سے منع کیا گیا ہے کہ کسی بھی فرد سے اس کی محنت کے بدلے زیادہ اجرت نہ لی جائے یا کم اجرت دی جائے۔ شریعت کے مطابق، اجرت میں زیادتی یا کمی نہیں کی جانی چاہیے، بلکہ اس کا توازن برقرار رکھنا ضروری ہے۔ کسی بھی فرد کا استحصال کرنا یا اس سے کم اجرت لینا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اجرت کی ادائیگی کا وقت بھی بہت اہم ہے، اور اسلامی معاشی نظام میں اس پر خاص زور دیا گیا ہے۔ مزدوروں کی اجرت فوراً اور بغیر کسی تاخیر کے ادا کی جانی چاہیے۔ اسلام میں یہ حکم ہے کہ مزدور کی اجرت اس کی محنت کے عوض فوراً ادا کی جائے، اور اس میں کسی قسم کی تاخیر یا حیلہ بازی نہیں ہونی چاہیے۔ حدیث مبارکہ ہے: "مزدور کا حق اس کی محنت کے بعد فوراً ادا کرو" (صحیح بخاری)۔ اجرت کی ادائیگی میں کوئی بھی دھوکہ دہی یا مبہم طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس بات کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ اجرت کی ادائیگی شفاف ہو۔ اسلامی معاشی نظام میں اجرت کا معیار اس بات پر ہوتا ہے کہ فرد کی ضروریات زندگی کی تکمیل ہو سکے اور وہ فقر اور محتاجی کی حالت میں نہ رہے۔ اسلام میں یہ اصول ہے کہ اجرت اتنی ہونی چاہیے کہ مزدور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجرت میں کمی نہیں کی جانی چاہیے جو فرد کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری ہو۔ اجرت کا تعین اس بات کے مطابق کیا جانا چاہیے کہ جو کام کیا جا رہا ہے، اس کی نوعیت اور محنت کی سطح کو مد نظر رکھا جائے۔ اسلام میں اجرت کا تعین شریعت کی رو سے کاروبار کے اصولوں کے مطابق کیا جانا چاہیے۔ یہ اجرت کسی قسم کی دھوکہ دہی، جوا، یا غلط طریقوں پر مبنی نہیں ہو سکتی۔ کسی بھی طرح کی حرام اجرت، جیسے سود (ربا) یا کسی غیر شرعی طریقے سے حاصل کی جانے والی اجرت کو جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے بجائے اجرت کا تعین حلال اور جائز کاروباری اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ اسلام میں یہ بھی ضروری ہے کہ اجرت کے بارے میں دونوں فریقین کے درمیان واضح اتفاق ہو۔ اس بات کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ دونوں فریقین کی رضامندی سے اجرت کا تعین کیا جائے۔ اجرت کے تعین میں فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے تنازع یا ابہام کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ دونوں فریقین کو پہلے سے معلوم ہونا چاہیے کہ اجرت کتنی ہوگی اور کس طریقے سے ادا کی جائے گی۔ اسلامی معاشی نظام میں اجرت کا تعین اس بات پر مبنی ہوتا ہے کہ انصاف، مساوات، اور محنت کی قدر کا خیال رکھا جائے۔ اسلام میں اجرت کا مقصد کسی کی محنت کا صحیح عوض دینا، فرد کی ضروریات کو پورا کرنا، اور استحصال سے بچنا ہے۔ اس نظام کے مطابق، اجرت کا تعین اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ مزدور کو اس کی محنت کا مناسب بدلہ ملے اور وہ فقر و محتاجی کی حالت میں نہ رہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں اجرتوں کا تعین

سرمایہ دارانہ نظام میں اجرتوں کا تعین مارکیٹ کی قوتوں، جیسے طلب اور رسد کے اصولوں کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں اجرت کا تعین زیادہ تر افراد کی مہارت، کام کی نوعیت، اور صنعت یا شعبے کی اقتصادی حالت پر منحصر ہوتا ہے۔ اجرتوں کا تعین بنیادی طور پر طلب اور رسد کے اصولوں پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر کسی مخصوص مہارت یا پیشے کی کمی ہو، تو اس کی اجرت میں اضافہ ہوتا ہے، اور اگر یہ مہارت زیادہ دستیاب ہو، تو اجرت کم ہو سکتی ہے۔ اس نظام میں، اجرتوں کو بازار کی قوتوں کے ذریعے طے کیا جاتا ہے، یعنی جب کسی صنعت یا شعبے میں کام کی مانگ زیادہ ہو، تو اجرت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ افراد کی مہارت اور تعلیمی معیار اجرت کے تعین میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ماہر افراد کو ان کی مہارت کے مطابق زیادہ اجرت ملتی ہے، جبکہ کم مہارت والے کاموں کے لیے اجرت کم ہو سکتی ہے۔ یہ نظام مہارت کی بنیاد پر اجرتوں کے فرق کو تسلیم کرتا ہے اور افراد کی صلاحیتوں کو بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں کمپنیوں اور کاروباری اداروں کے منافع پر اجرتوں کا تعین اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر کسی کمپنی کا منافع زیادہ ہو، تو وہ اپنے ملازمین کو زیادہ اجرت دے سکتی ہے۔ کمپنیوں کی مالی حالت کے مطابق بھی اجرتوں میں اتار چڑھاؤ آ سکتا ہے۔ مارکیٹ میں مسابقت کے اصول کے مطابق، اگر مختلف کمپنیوں یا کاروباروں کے درمیان اجرت کے بارے میں مقابلہ ہو، تو اجرتیں بڑھ سکتی ہیں تاکہ بہترین ملازمین کو کام پر رکھا جاسکے۔ اس کا مقصد افراد کی اہلیت اور کارکردگی کو بہتر بنانا ہوتا ہے۔ اجرتوں کا تعین بعض اوقات ملکی اقتصادی حالات اور حکومتی پالیسیوں سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ حکومتیں کم از کم اجرت کے قوانین نافذ کر سکتی ہیں تاکہ افراد کو کم



سے کم اجرت مل سکے، لیکن یہ اصول بھی بازار کی قوتوں سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، مہنگائی کی سطح بھی اجرتوں کے تعین میں اہم کردار ادا کرتی ہے، کیونکہ مہنگائی میں اضافے سے اجرتوں کا سطح بڑھانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں اجرت کا تعین طلب، رسد، افراد کی مہارت، اور کمپنیوں کے منافع پر مبنی ہوتا ہے۔ اس نظام میں افراد کی مہارت اور کارکردگی کو اہمیت دی جاتی ہے، اور اجرت کا تعین زیادہ تر مارکیٹ کی قوتوں کے مطابق ہوتا ہے، جس سے اجرتوں میں چلک اور تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اس کائنات میں بہت سے قدرتی قوانین کار فرما ہیں انہی میں سے ایک قانون رسد (Supply) اور طلب (Demand) کا بھی ہے، رسد کسی بھی سامان تجارت کی اس مجموعی مقدار سے عبارت ہے جو بازار میں فروخت کے لئے لائی گئی ہو، اور طلب "خریداروں کی اس خواہش کا نام ہے، کہ وہ سامان تجارت بازار سے خریدیں۔ اب "رسد و طلب" کا قدرتی قانون یہ ہے کہ بازار میں جس چیز کی رسد طلب کے مقابلہ میں زیادہ ہو، اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے اور جس چیز کی طلب اس کی رسد کے مقابلہ میں بڑھ جائے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، مثلاً گرمی کے موسم میں جب گرمی زیادہ پڑنے لگے تو بازار میں برف کے خریدار زیادہ ہو جاتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ برف کی طلب بڑھ گئی، اب اگر برف کی پیداوار یا بازار میں پائی جانی والی برف کی مجموعی مقدار اس طلب کے مقابلے میں کم ہو، تو یقیناً برف کی قیمت بڑھ جائے گی، الایہ کہ اس وقت برف کی پیداوار میں اتنا ہی اضافہ ہو جائے جتنا طلب میں اضافہ ہوا ہے تو پھر قیمت نہیں بڑھے گی۔ دوسری طرف سردی کے موسم میں برف کے خریدار کم ہو جاتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ برف کی طلب گھٹ گئی، اب اگر بازار میں برف کی مجموعی مقدار اس طلب کے مقابلہ میں زیادہ ہو تو یقیناً برف کی قیمت میں کمی آجائے گی، یہ ایک قدرتی قانون ہے جس کو (Law of demand and supply) کہا جاتا ہے۔¹⁴

سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ رسد و طلب کا یہ قدرتی قانون ہی درحقیقت زراعت پیشہ افراد کے لئے اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ اپنی زمینوں (Lands) میں کیا چیز لگائیں، اور یہی قانون صنعت کاروں اور تاجروں کے لئے اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ کیا چیز کتنی مقدار میں بازار میں لائیں، بالکل اس طرح یہ قانون آجروں اور امیروں کے لئے بھی اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ اپنی اجرت کتنی مقرر کرے، اگر آجر کو اپنے مطلوبہ کام کے لئے اجیر زیادہ ملیں گے تو پھر مزدور کی طلب کم ہے، اور رسد زیادہ ہے، اس لئے اس قانون کے تحت اجیر کی اجرت کم ہوگی، کیونکہ اس کی طلب بھی کم ہے، اور اگر اجیر کو اپنے مطلوبہ کام کے لئے اجیر بہت کم مل رہے ہیں، تو طلب میں اضافہ ہوگا اور رسد میں کمی ہونے کی وجہ سے اجر میں بڑھ جائیں گی کیونکہ طلب میں اضافہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کپڑے کا کارخانہ لگاتا ہے اس کارخانہ میں کام کرنے کے لئے اس کو مزدور درکار ہوں سے جنہیں اصطلاح میں محنت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اب مالک کو انہیں اجرت دینی پڑے گی، اس اجرت کا تعین بھی رسد و طالب کی بنیاد پر ہوگا یعنی اگر بہت سے مزدور کام کرنے کے لئے تیار ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محنت کی رسد زیادہ ہے، لہذا اس کی اجرت کم ہوگی لیکن اگر کارخانہ میں کام کرنے کے لئے زیادہ مزدور میا نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رسد کم ہے، لہذا انہیں زیادہ اجرت دینی پڑے گی۔ اس طرح اجرت باہمی گفت و شنید کے نتیجہ میں اس مقام پر متعین (Comfirm) ہوگی، جس پر رسد و طلب دونوں کا اتفاق ہو جائے۔¹⁵ اس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں اجرتوں کے تعین کا مسئلہ قانون طلب و رسد کے تحت انجام پاتا ہے۔

اجرتوں کے تعین میں سوشلسٹ نظریہ

سوشلسٹ نظام میں اجرتوں کے تعین کا بنیادی مقصد معاشرتی مساوات اور استحصال کے خاتمے کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق، مزدوروں کی اجرت کا تعین مارکیٹ کی قوتوں پر چھوڑنے کے بجائے، ریاست یا اجتماعی منصوبہ بندی کے ذریعے کیا جاتا ہے تاکہ ہر فرد کو بنیادی ضروریات تک رسائی حاصل ہو اور طبقاتی فرق کم سے کم ہو۔ سوشلسٹ نظام میں اجرتوں کا تعین منافع خوری کے بجائے سماجی فلاح و بہبود کو مد نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

اجرتوں کے تعین میں مساوات کی اہمیت

سوشلسٹ نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ تمام افراد کو ان کی بنیادی ضروریات کے مطابق اجرت دی جائے، نہ کہ ان کی پیداواری صلاحیت یا منڈی کے اصولوں کے تحت۔ اس نظام میں دولت کی مساوی تقسیم پر زور دیا جاتا ہے تاکہ معاشرے میں کسی بھی طبقے کو زیادہ اجرت اور وسائل پر اجارہ داری حاصل نہ ہو۔ تمام مزدوروں کو تقریباً یکساں اجرت دی جاتی ہے تاکہ کسی بھی فرد یا

¹⁴ اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مصنف حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، 2019، ادارۃ المعارف کراچی، ص: 22

¹⁵ عثمانی، محمد تقی، سلام اور جدید معیشت و تجارت، ناشر: معارف القرآن کراچی، 2019، ص 25



طبقے کو زیادہ دولت اکٹھا کرنے کا موقع نہ ملے۔ اجرتوں کا تعین ریاست کے ذریعے کیا جاتا ہے، جو قومی وسائل کو منصفانہ طریقے سے تقسیم کرتی ہے۔ کم اجرت والے مزدوروں کے لیے خصوصی مراعات دی جاتی ہیں تاکہ ان کی زندگی کے معیار میں فرق نہ آئے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اجرتوں میں جو شدید تفاوت پایا جاتا ہے، سوشلسٹ نظام اسے ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اجرتوں کی سطح کو کم و بیش برابر رکھا جاتا ہے تاکہ امیر اور غریب کے درمیان فرق کم ہو۔

ریاستی کنٹرول اور اجرتوں کی منصوبہ بندی

سوشلسٹ نظام میں اجرتوں کا تعین آزاد منڈی کے بجائے مرکزی حکومت کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد معیشت کو افراد کی منافع خوری سے بچانا اور اجرتوں کو مزدوروں کے فائدے کے مطابق منظم کرنا ہوتا ہے۔ اجرتوں کا تعین حکومت کے معاشی منصوبوں کے تحت کیا جاتا ہے، جہاں مخصوص ملازمتوں کے لیے مقررہ اجرتیں ہوتی ہیں۔ تمام صنعتوں میں اجرتوں کا ایک خاص دائرہ مقرر کیا جاتا ہے تاکہ کوئی بھی فرد دوسروں سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ سوشلسٹ معیشت میں پیداوار اور وسائل کی ملکیت نجی سرمایہ داروں کے بجائے اجتماعی یا حکومتی کنٹرول میں ہوتی ہے۔ تمام ملازمین کو قومی اداروں کے ذریعے ادائیگی کی جاتی ہے، جس سے اجرتوں کا تعین زیادہ شفاف اور منصفانہ ہوتا ہے۔

اجرتوں کا تعین بنیادی ضروریات کی بنیاد پر

سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس، جہاں اجرت کا تعین پیداوار اور منافع کے مطابق ہوتا ہے، سوشلسٹ نظام میں اجرت کا تعین فرد کی ضروریات کے مطابق کیا جاتا ہے۔ سوشلسٹ نظام میں اجرتوں کے علاوہ، حکومت شہریوں کو بنیادی سہولیات جیسے صحت، تعلیم، رہائش، اور روزگار کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ اجرتوں کا تعین اس انداز میں کیا جاتا ہے کہ تمام افراد کو ایک معیاری زندگی گزارنے کا موقع ملے، چاہے وہ زیادہ کام کریں یا کم۔ اجرتوں میں تبدیلی کو افراط زر اور معیشت کی حالت کے مطابق ایڈجسٹ کیا جاتا ہے تاکہ افراد کی قوت خرید متاثر نہ ہو۔ مزدوروں کو غیر یقینی معاشی حالات سے بچانے کے لیے اجرتوں کو مستحکم رکھا جاتا ہے۔

اجرتوں میں مہارت اور کارکردگی کی اہمیت

اگرچہ سوشلسٹ نظام مساوات پر زور دیتا ہے، لیکن پھر بھی مہارت، ذمہ داری، اور کارکردگی کی بنیاد پر اجرتوں میں کچھ فرق رکھا جاسکتا ہے۔ کچھ سوشلسٹ ماڈلز میں زیادہ مہارت یا اہم ذمہ داری والے کاموں کے لیے تھوڑی زیادہ اجرت دی جاتی ہے، لیکن یہ فرق سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ مثلاً، ایک ڈاکٹر اور ایک فیکٹری میں مزدور کی اجرت میں کچھ فرق ہو سکتا ہے، لیکن وہ اتنا زیادہ نہیں ہوگا کہ طبقاتی فرق پیدا ہو۔ اجرتوں میں فرق کے بجائے، اجتماعی فوائد جیسے بونس، سبسڈی، اور دیگر مراعات فراہم کی جاتی ہیں تاکہ افراد بہتر کام کرنے کی ترغیب حاصل کریں۔ کارکردگی کی بنیاد پر اضافی فوائد دیے جاسکتے ہیں، لیکن یہ انفرادی مقابلے کے بجائے اجتماعی ترقی پر مبنی ہوتے ہیں۔

اجرتوں کا طویل مدتی اثر اور سوشلسٹ معیشت کا استحکام

سوشلسٹ نظام میں اجرتوں کے تعین سے سماجی اور معاشی استحکام کو فروغ ملتا ہے۔ چونکہ اجرتوں کا تعین بازار کی بے قاعدگیوں سے آزاد ہوتا ہے، اس لیے مزدوروں کو روزگار کی ضمانت اور مالی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ سوشلسٹ نظریے میں روزگار کی ضمانت دی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں افراد کو کسی بھی معاشی بحران کے دوران بے روزگاری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ حکومت روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے لیے نئے منصوبے شروع کرتی ہے اور اجرتوں کو مستحکم رکھتی ہے۔ اجرتوں کے تعین میں ریاست کا کردار مزدوروں کی فلاح و بہبود پر مرکوز ہوتا ہے، جس سے نہ صرف انفرادی خوشحالی بڑھتی ہے بلکہ پوری معیشت کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ اجرتوں کی منصفانہ تقسیم کے باعث دولت چند ہاتھوں میں جمع ہونے کے بجائے پورے معاشرے میں گردش کرتی ہے، جس سے مجموعی ترقی کو فروغ ملتا ہے۔

سوشلسٹ نظام میں اجرتوں کا تعین مساوات، سماجی فلاح و بہبود، اور ریاستی منصوبہ بندی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں اجرتوں کی سطح کا مقصد افراد کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا اور طبقاتی فرق کو کم کرنا ہوتا ہے۔ نجی ملکیت اور منافع خوری کے برعکس، یہاں دولت کی منصفانہ تقسیم کو ترجیح دی جاتی ہے تاکہ تمام افراد کو مساوی مواقع اور وسائل میسر آسکیں۔ نتیجتاً، یہ نظام مزدوروں کے استحصال کو روکتا ہے اور ایک مستحکم اور خوشحال معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔

اشتراکیت (Socialism) درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئی، سرمایہ دارانہ (Capitalism) فلسفہ کا پر از در چونکہ اس بات پر تھا کہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے ہر شخص آزاد ہے، اور معیشت کا ہر مسئلہ بنیاد پر ملے ہوتا ہے، اس لئے اس فلسفہ میں فلاح عامہ صرف رسید و طلب کی بنیاد پر ملے ہوتا ہے، اس لیے فلسفہ میں فلاح عامہ (Welfare) اور غریبوں کی بہبود وغیرہ کا کوئی واضح اہتمام نہیں تھا، اور زیادہ منافع کمانے کی دوڑ میں کمزور افراد کے پینے کے واقعات بکثرت پیش آئے، جس کے نتیجے میں غریب اور امیر کے درمیان فاصلے بہت زیادہ بڑھ گئے، اس لئے اشتراکیت ان خرابیوں کے سد باب کا دعویٰ لے کر میدان میں آئی، اور اس نے سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی فلسفہ کو ناپاؤں کرتے ہوئے یہ ماننے سے انکار



کیا کہ معیشت کے مسائل محض ذاتی منافع کے محرک شخصی ملکیت اور بازار کی قوتوں کی بنیاد پر حل کیے جاسکتے ہیں۔ اشتراکیت نے کہا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں معیشت کے تمام بنیادی مسائل کو رسد و طلب کی اندھی بھری طاقتوں کے حوالہ کر دیا گیا ہے، جو خالص ذاتی منافع کے محرک کے طور پر کام کرتی ہیں، اور ان کو فلاح عامہ کے مسائل کا ادراک نہیں ہوتا، خاص طور سے آمدنی کی تقسیم میں یہ قوتیں غیر منصفانہ نتائج پیدا کرتی ہیں، جس کی ایک سادہ مثال ہے کہ اگر مزدور کی رسد زیادہ ہو تو ان کی اجرت کم ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات مزدور اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ انتہائی کم اجرت پر کام کریں، اور جو پیداوار ان کے گاڑھے پینے کی محنت سے تیار ہو رہی ہے، اس میں سے انہیں اتنا بھی حصہ نہیں مل سکتا جس کے ذریعہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے صحت مند زندگی کا انتظام کر سکیں۔ چونکہ ان کی محنت کی طلب رکھنے والے سرمایہ دار کو اس سے غرض نہیں کہ جس اجرت پر وہ ان سے محنت لے رہا ہے وہ واقعتاً ان کی محنت کا مناسب صلہ اور ان کی ضروریات کا واقعی کفیل ہے یا نہیں؟ اسے تو صرف اس بات سے فرض ہے کہ رسد کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنی طلب کی تسکین نہایت کم اجرت پر کر سکتا ہے، جس سے اس کے منافع میں اضافہ ہو، لہذا اشتراکیت کے نظریہ کے مطابق آمدنی کی تقسیم کے لئے رسد و طلب "کا فارمولا ایک ایسا ہے جس فارمولا ہے جس میں غریبوں کی ضروریات کی رعایت نہیں، بلکہ وہ سرمایہ دار کے ذاتی منافع کے محرک کا تابع ہے اور اسی مدار پر گردش کرتا ہے، لہذا رسد و طلب کے ذریعہ سے اجرتوں کا تعین اتنے توازن کے ساتھ نہیں ہو سکتا جس کی معاشرے کو واقعی ضرورت ہے۔

اس کے حل کے لئے اشتراکیت نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ بنیادی خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ وسائل پیداوار یعنی زمینوں اور کارخانوں کو لوگوں کی انفرادی ملکیت قرار دیا گیا، ہونا یہ چاہیے تھا کہ تمام وسائل پیداوار افراد کی شخصی ملکیت میں ہونے کے بجائے ریاست کی اجتماعی ملکیت میں ہوں اور جب یہ سارے وسائل ریاست کی ملکیت میں ہوں گے، حکومت کو یہ بہتر طور پر معلوم ہو گا کہ اس کے پاس کل وسائل کتنے ہیں؟ اور معاشرے کی ضروریات کیا گئی ہیں؟ اس بنیاد پر حکومت ایک منصوبہ بندی کرے جس میں یہ طے کیا جائے گا کہ معاشرے کی کن ضروریات کو مقدم رکھا جائے؟ کوئی چیز کس مقدار میں پیدا کی جائے؟ اور مختلف وسائل کو کس ترتیب کے ساتھ کن کن کاموں میں لگایا جائے، گویا ترجیحات کا تعین (Determination of priorities)، وسائل کی تخصیص (Allocation of resources) اور ترقی کے تینوں کام حکومت کی منصوبہ بندی کے تحت انجام پائیں۔ رہا آمدنی کی تقسیم (Distribution of income) کا سوال؟ سو، اشتراکیت نے دعویٰ یہ کیا کہ حقیقتاً عامل پیداوار صرف دو چیزیں ہیں: زمین اور محنت۔ زمین چونکہ انفرادی ملکیت نہیں، بلکہ اجتماعی ملکیت میں ہے البتہ اس پر کرایہ یا لگان دینے کی ضرورت نہیں۔ اب صرف محنت روجاتی ہے، اس کی اجرت کا تعین بھی حکومت منصوبہ بندی کے تحت یہ بات مد نظر رکھتے ہوئے کرے گی کہ مزدوروں کو ان کی محنت کا مناسب صلہ ملے۔ خلاصہ یہ کہ اشتراکیت نے معیشت کے مسائل کے حل کے لئے بنیادی حل تجویز کیا، اور وہ منصوبہ بندی ہے، اس معیشت کو منصوبہ بند معیشت (planned economy) کہا جاتا ہے۔

16

اسلام میں اجرتوں کا تعین

اسلامی تعلیمات و احکامات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے بازار کی قوتوں یعنی طلب و رسد کے قوانین کو معیشت کے مسائل کے حل کے لئے فی الجملہ تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرَیًّا ۗ ۱۷

ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض پر درجات میں فوقیت دی ہے، تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے۔

طلب و رسد کا یہ خود کار نظام جس طرح اشیائے صرف اور مصنوعات میں عمل دخل رکھتا ہے، اسی طرح یہ انتظام آخر اور اجیر کے درمیان بھی بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ تاجروں، صنعتکاروں اور زمینداروں کو اجیر اور مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے، اور مزدور اور اجیر کو روزگار کی طلب ہوتی ہے، ان دونوں کی طلب ایک دوسرے کو روزگار فراہم کرتی ہے، اس طرح طلب و رسد کا خود کار نظام آجر اور اجیر کے درمیان بھی اسی طرح عمل پیرا ہوتا ہے، جیسا کہ اشیاء میں ہوتا تھا، اگر کی جگہ انفرادی قوت میں کمی کا سامنا ہوا اور وسائل زیادہ ہوں تو وہاں اجرتیں اور تنخواہیں

¹⁶ عثمانی، محمد تقی، سلام اور جدید معیشت و تجارت، ناشر: معارف القرآن کراچی، 2019ء ص 28

Usmani, Muhammad Taqi, Salam and Modern Economy & Trade, Publisher: Ma'arif Al-Qur'an, Karachi, 2019, p. 28

¹⁷ سورہ زخرف، آیت: 32



زیادہ ہوتی ہیں اور اگر افرادی قوت زیادہ اور وسائل کم ہوں تو پھر تنخواہیں اور اجرتیں کم ہوتی ہیں۔ یہاں بھی اجیر اور آجر کے درمیان طلب و رسد (Supply and demand) کے اس نظام کی وجہ سے ہر شخص خود فیصلہ کرتا ہے کہ میرے ذمہ جتنی ذمے داریاں (Liabilities) ہیں، ان کی اجرت کتنی ہونی چاہیے، شریعت نے ذرائع معاش کی تقسیم کا کام نہ تو سوشلزم کی طرح حکومت اور افسر شاہی کے رحم و کرم پر چھوڑا ہے، اور نہ جاگیر داری و سرمایہ داری نظام کی طرح چند خاندانوں اور چند افراد کے ہاتھوں ساری دولت سمیٹنے کا موقع فراہم کیا ہے، بلکہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ اگر حکومت یا بااثر طبقات کی طرف سے ارتکابی دولت کی بناء پر اجارہ داریاں (Monopoly) قائم کر کے مصنوعی رکاوٹیں کھڑی نہ کی جائیں تو ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسروں کو اتنا دینے کے لئے مجبور ہے جتنے کہ وہ مستحق ہیں، اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا ہے جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ البتہ طلب و رسد کے نظام کو ان خیلوں اور بہانوں سے بچانا ضروری ہے جس سے اس کی آزادی میں خلل واقع ہوتا ہو۔ اگر اجرتوں کا تعین اور اجیر و مستاجر کے درمیان سوداکاری "طلب و رسد" کے قدرتی نظام کے تحت ہو اور طلب و رسد مصنوعی اتار چڑھاؤ اور اجارہ داری (Monopoly) سے پاک ہو، تو پھر اجرتوں کا صحیح تعین خود بخود ہو جاتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ درخواست کی گئی کہ آپ بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء کا نرخ (Rate) سرکاری طور پر متعین فرمادیں تو نبی کریم اے نے یہ ارشاد فرمایا:

ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق¹⁸

"بے شک اللہ تعالیٰ ہی قیمت مقرر کرنے والے ہیں، وہی چیزوں کی رسد میں کمی کرنے والے اور زیادتی کرنے والے ہیں۔"

اس حدیث میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلب و رسد کی فطری قوتوں کو آزاد چھوڑا ہے اور مصنوعی طریقوں سے قیمتوں پر کنٹرول (Control) کو پسند نہیں فرمایا ہے۔ اس لئے اجیر کی اجرت اور مستاجر کے منافع اور اشیاء صرف کی قیمتوں میں توازن رکھنے اور معیشت کو عام خوشحالی کی طرف گامزن کرنے کے لئے طلب و رسد کے قدرتی نظام کو ان رکاوٹوں اور جیلوں سے بچانا ضروری ہے، تاکہ اجیر و مستاجر کے درمیان سوداکاری میں کوئی بد مزگی اور ایک دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اور حقوق نصب کرنے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ اس کے لئے کچھ پابندیاں عائد ہوں تو "طلب و رسد" کا قانون ان خرابیوں سے بچ سکتا ہے جو کہ طلب و رسد میں بگاڑ پیدا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اجرتوں کا صحیح تعین نہیں ہو پاتا، اگر ان خرابیوں سے بچ کر طلب و رسد کی بناء پر اجرتوں کا تعین کیا جائے تو وہ سچ اور حقیقی اجرت قرار دی جائے گی۔ یہ پابندیاں تین طرح کی ہیں:

1. خدا کی پابندیاں

2. اخلاقی پابندیاں

3. ریاستی پابندیاں

خدا کی پابندیاں

سب سے پہلے تو اسلام نے معاشی سرگرمیوں پر حلال و حرام کی کچھ ایسی ابدی پابندیاں عائد کی ہیں، جو ہر زمانہ اور ہر جگہ نافذ العمل ہیں، مثلاً سود، قمار، تھے، ذخیرہ اندوزی اور اجرتوں کا تعین، یہ سب اللہ کی جانب سے ممنوع ہیں، چنانچہ اسلام کی نظر میں اجرتوں کا تعین "طلب و رسد کی فطری قوتیں ہی کریں گی، لیکن اس میں خدا کی پابندیوں کا مکمل لحاظ رکھنا ضروری ہو گا۔"

اخلاقی پابندیاں

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے کچھ چیزیں انسان کے لیے اس کے اخلاقی فرض کے طور پر منع فرمائیں، اس تناظر میں اسے یہ باور کرایا گیا کہ آپ کی اصل زندگی آخرت کی ہے، لہذا یہاں جو کاشت کرو گے کل محشر کے روز وہی کاٹو گے، اس عقیدے کے پیش نظر وہ ایسی چیزوں کے بازار میں لانے سے رکے گا جو اس کے لیے یا کسی دوسرے کے لیے اس آخرت کی ہر بادی کا باعث ہوں۔

ریاستی پابندیاں

شریعت نے کچھ پابندیاں لگائی ہیں اور کچھ پابندیوں کا اختیار حکومت (Government) کو دیا ہے کہ وہ کسی مصلحت اور فائدے کے تحت کسی ایسی چیز کو بھی ممنوع قرار دے سکتی ہے جو کہ شرعاً ممنوع نہیں تھیں، حکومت کو مباحات پر پابندی عائد کرنے کا یہ اختیار غیر محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے بھی کچھ اصول و ضوابط ہیں لیکن اس میں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

¹⁸ترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان، رقم الحدیث 1314، ج 2، ص 205



ایک یہ کہ حکومت کا ہی حکم واجب التعمیل ہے جو قرآن و سنت کے کسی حکم سے متضاد نہ ہو، اور دوسرے یہ کہ حکومت کو اس قسم کی پابندی عائدہ کرنے کا اختیار صرف اس وقت ملتا ہے جب کوئی اجتماعی مصلحت اس کی داعی ہو، چنانچہ ایک مشہور فقہی قاعدے میں اس کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے:

تصرف الإمام منوط بالمصلحة¹⁹.

عوام پر حکومت کے اختیارات مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔

لہذا اگر کوئی حکومت کسی اجتماعی مصلحت کے بغیر کوئی پابندی عائد کرے تو یہ پابندی جائز نہیں، اور قاضی کی عدالت سے اس کو منسوخ کرایا جاسکتا ہے۔ اجرتوں کے تعین میں اسلام نے نہ ہی سرمایہ دارانہ نظام کی طرح بے لگام چھوڑا منہ ہی اشتراکیت کی مانند اس کا گھونٹا، بلکہ اسلام کی نظر میں طلب و رسد کی تو میں کچھ پابندیوں کے ساتھ آزاد ہیں، تاکہ اس سے سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کا سدباب ہو سکے، اسلام کا یہ قانون ہر طرح کی معاشی خرابیوں کے سدباب کے لیے کافی وافی ہے۔ مختلف معاشی نظاموں کے مطابق اجرت کو متعین کرنے کے یہ عمومی اصول ہیں، جن کی روشنی میں مناسب اجرت کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ اجرت افراد کی ہویا اشیاء کی۔ مکان کی ہویا دکان کی۔ آگے اسلامی تعلیمات کی روشنی پر اپنی کارکرہ تعین کرنے کی اہمیت اور اسکے قواعد و ضوابط بیان کیے جاتے ہیں:

شریعت میں کرایہ مقرر کرنے کی اہمیت

کرایہ داری کے معاملہ میں کرایہ مقرر کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ یہ اس عقد کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے، لہذا اگر کرایہ داری کے کسی عقد میں کرایہ معلوم اور متعین نہ ہو بلکہ مجہول ہو تو ایسا عقد فاسد ہو گا۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لان جها لثهما تقضى إلى المنازعة²⁰

اور اسکی شرط ہے اجرت (کرائے) اور منفعت کا معلوم ہونا کیونکہ ان دونوں کی جہالت لڑائی جھگڑے تک پہنچاتی ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والاصل في شرط العلم بالأجرة قول النبي صلى الله عليه وسلم من استاجر أجيراً فليعلمه أجره والعلم بالأجرة لا يحصل إلا بالاشارة والتعيين أو بالبيان²¹

اور اجرت (کرایہ) کا معلوم اور تعین ہونا جو شرط ہے اسکی اصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر رکھا اس کو چاہیے کہ اسکی اجرت اس کو بتادے اور اجرت کا علم حاصل نہیں ہو گا مگر اشارے اور تعین سے یا بیان کرنے اور بتانے سے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ومنها ان تكون الأجرة معلومة²²

¹⁹ عثمانی، محمد تقی، سلام اور جدید معیشت و تجارت، ناشر: معارف القرآن کراچی، 2019، ص 140

Usmani, Muhammad Taqi, *Salam and Modern Economy & Trade*, Publisher: Ma'arif Al-Qur'an, Karachi, 2019, p. 140

²⁰ الحصکفی، محمد بن عبد اللہ بن احمد، الدرۃ المختار، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1996، ج 2، ص 6

Al-Hasakafi, Muhammad bin Abdullah bin Ahmad, *Al-Durr Al-Mukhtar – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah*, Beirut, Lebanon, 1996, Vol. 2, p. 6

²¹ الکاسانی، علاء الدین ابی بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1998، ج 2، ص 193

Al-Kasani, Ala al-Din Abu Bakr bin Masood, *Badai' Al-Sanai' fi Tartib Al-Sharai'* – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 1998, Vol.2, p. 193

²² جماعتی، مولانا شیخ نظام، فتاویٰ الہندیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2003، ج 2، ص 311



اور اسکی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے، کہ اجرت معلوم اور متعین ہو۔"

علامہ ابو الحسن علی بن ابوبکر فرماتے ہیں:

ولا يصح حتى تكون منافع معلومة والأجربة معلومة لماروينا ولان الجهالة في المعقود عليه وفي بدله
تفضي الى المنازعة كجهالة الثمن والمثمن في البيع.²³

اور یہ اجارہ صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت بھی معلوم ہو اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور اس لئے کہ
معقود علیہ اور اسکے بدل میں جہالت نزاع تک پہنچاتی ہے جیسا کہ ان کے عقد میں ثمن اور مبیع میں جہالت نزاع تک پہنچاتی ہے۔"

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ حدیث عبارت اس سے اجرت کے معلوم ہونے پر دلالت کر رہی ہے اور دلالت النص سے اسکے متعین ہونے کے
شرط ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔"²⁴

مذکورہ بالا عبارت اور اسے ثابت ہوا کہ کرایہ داری کے معاملے میں کرایہ کا معلوم اور متعین ہونا بہت ضروری اور لازم ہے اور اس عقد کے بیچ ہونے کی شرائط میں سے ہے۔ نیز یہ بھی
معلوم ہوا کہ اس میں ایسی جہالت جو لڑائی جھگڑے تک پہنچائے وہ ناقابل برداشت ہے۔ اگر ایسی جہالت موجود ہوئی تو عقد اجارہ فاسد ہو جائیگا۔

کرایہ کب ادا کرنا ضروری ہے؟

کرایہ داری کا معاہدہ کرتے ہی فوراً کرایہ ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اسکی پانچ صورتیں ہوتی ہیں جب ان پانچ صورتوں میں سے کوئی صورت پائی جائے تو کرایہ کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

پہلی صورت

کرایہ دار خود ہی پیشگی کرایہ ادا کر دے اس صورت میں کرایہ ادا کر دیا تو ادا ہو گیا۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ مالک مکان یہ شرط طے کر لے کہ میں پہلے کرایہ وصول کروں گا۔ جب کرایہ دار یہ شرط منظور کرے گا تو اب اس پر کرایہ ادا کرنا لازم ہو جائیگا۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ کرایہ دار مکان میں مقرر مدت مثلاً ایک مہینہ رہائش اختیار کر چکا ہو۔ اب جب اس نے مکان سے رہائش کا فائدہ اٹھالیا تو اسکے بعد اسکے ذمہ کرایہ ادا کرنا لازم

ہو جائیگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

Jama'ati, Maulana Sheikh Nizam, *Al-Fatawa Al-Hindiyya*, Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2003, Vol.2, p. 311

²³ المرغینانی، برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر، المہدایہ، مکتبہ رحمانیہ، 2020، ص 293

Al-Marghinani, Burhan Al-Din Abu Al-Hasan Ali bin Abi Bakr, *Al-Hidayah – Maktabah Rahmaniyyah*, 2020, p. 295

²⁴ المرغینانی، برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر، المہدایہ، مکتبہ رحمانیہ، 2020، ص 296

Al-Marghinani, Burhan Al-Din Abu Al-Hasan Ali bin Abi Bakr, *Al-Hidayah – Maktabah Rahmaniyyah*, 2020, p. 296



"الأجرة لا تجب بالعقد وتستحق باحدى معاني اللغة اما بشرط التعجيل او بالتعجيل من غير شرط او يا ستيفاء المعقود عليه واذا ستوفى المنفعة يثبت الملك في الأجرة لتحقيق التويه وكذا اذا شرط التعجيل او عجل من غير شرط لان المساواة يثبت حقاله وقدا بطله²⁵

کرایہ ادا کرنا محض عقد کرنے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا اور کرایہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے تین وجوہات میں سے کسی ایک وجہ سے:

- یا تو جلد ادا کرنے کی شرط لگانے کی وجہ سے
- یا شرط لگائے بغیر جلد ادا کرنے کی وجہ سے
- یا نفع حاصل کر لینے کی وجہ سے اور جب اس نے نفع وصول کر لیا تو اب کرایہ کے اندر (مالک کی) ملکیت ثابت ہو جائیگی کیونکہ برابر پائی گئی ہے۔ اور اسی طرح جب جلد ادا کرنے کی شرط لگادی یا بغیر شرط کے جلدی ادا کر دیا کیونکہ مساوات کے اصول نے اس کے لئے حق ثابت کیا تھا مگر اس نے خود ہی اس کو باطل کر دیا۔

چوتھی صورت

چوتھی صورت یہ ہے کہ کرایہ ادا کرنا قسط وار طے ہو جائے اور قسط ادا کرنے کی تاریخ مقرر کر دی جائے۔ اس صورت میں قسط کی ادائیگی کے لئے طے شدہ تاریخ آنے پر کرایہ ادا کرنا ضروری ہو گا۔ مثلاً: کسی نے نوے (۹۰) دن کے لئے ایک گودام کرایہ پر لیا جس کا کرایہ ساتھ ہزار روپے دو قسطوں میں ۴۵-۴۵ دن کے بعد ادا کرنا طے ہوا تو پہلے پینتالیس دن کے بعد تیس ہزار روپے اور دوسرے پینتالیس دن گزرنے کے بعد میں ہزار روپے ادا کرنا ضروری ہو گا۔

پانچویں صورت

پانچویں صورت یہ ہے کہ کرایہ ادا کرنے کا وقت طے کرنے میں خاموشی اختیار کی جائے کچھ طے نہ کیا جائے۔ اس صورت میں مالک مکان روزانہ بھی مطالبہ کر سکتا ہے ہر روز اس کو حق ہو گا کہ وہ کرایہ مانگ لے۔ لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا بلکہ زبانی طور پر یا مارکیٹ کے حساب سے کچھ نہ کچھ طے ہو جاتا ہے۔²⁶ فتاویٰ شامیہ میں ہے:

"وللمواجر طلب الأجر للدار والاعراض كل يوم. اطلقه ولو بين تعين، قوله ولو بين اي لو بين وقت الاستحقاق في العقد تعين، ولذا قال في العزيمة هذا اذا لم تكن الأجرة معجلة او مستو جلة او منجمة وهذا قولهم جميعاً على ما قدر في الخلاصة فالمر ادفيما ذكره المصنف ما اذا سكت عن البيان"²⁷

اور کرایہ پردینے والے شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ گھر اور زمین کا کرایہ طلب کرے ہر روز جب کہ اس نے اس بات کو مطلق رکھا ہو اور اگر بیان کر دیا تو متعین ہو جائیگا۔ (قولہ ولو بین) یعنی اگر معاہدہ کے وقت کرائے کے مستحق ہونے کا وقت بیان کر دیا تو وہ وقت متعین ہو جائیگا، اسی وجہ سے "العزيمة میں یہ بات موجود ہے کہ مذکورہ حکم (روزانہ والا) اس وقت ہے جبکہ کرایہ جلدی کیا ہوا یا مقرر کر کیا ہوا یا قسط وار طے کیا ہوا نہ ہو اور یہ ان سب کا قول ہے، جیسا کہ الخلاصہ میں مذکور ہے۔ لہذا اس سے مراد جو مصنف نے ذکر کیا ہے وہ صورت ہے جب وقت مقرر کرنے سے خاموشی اختیار کرے۔"

²⁵ المرغنياني، برهان الدين ابى الحسن على بن ابى بكر، الهداية، مكتبة رحمانية، 2020، ص 294

Al-Marghinani, Burhan Al-Din Abu Al-Hasan Ali bin Abi Bakr, Al-Hidayah – Maktabah Rahmaniyyah, 2020, p.294

²⁶ الثنف في الفتاوى، شيخ ابو الحسن على بن حسين محشي محمد نبيل الجصلي۔ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی، 2011، ص 341

Al-Thaf fi Al-Fatawa – Shaykh Abu Al-Hasan Ali bin Hussain, Annotated by Muhammad Nabil Al-Jassali, H.M. Saeed Company, Karachi, 2011, p. 341

²⁷ محمد امین بن عمر الشہر مابن عابدین، فتاویٰ شامی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2016، ج 2، ص 14

Muhammad Ameen bin Umar, known as Ibn Abidin, Fatawa Shami – Zia-ul-Quran Publications, Karachi, 2016, Vol. 2, p.14



جو چیزیں کرایہ کے طور پر مقرر کر سکتے ہیں

بطور کرایہ کیا چیزیں مقرر کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکتے اس کے بارے میں تین اصول ہیں:

پہلا اصول

پہلا اصول یہ ہے کہ بطور کرایہ جو چیز مقرر کی جائے وہ مال ہو مال منقوم ہو اور متعین ہو مجہول نہ ہو۔

دوسرا اصول

دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ چیز جو ان کے اندیشہ بن سکتی ہے یعنی جو چیز کسی دوسری چیز کی قیمت بن سکتی ہے وہ چیز بطور کرایہ بھی مقرر کی جاسکتی ہے۔ اور جو چیز شمن بننے کی صلاحیت نہ

رکھتی ہو وہ کرایہ بھی نہیں بن سکتی۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والأجرة في الإجازات معتبرة بالثمن في الساعات لان كل واحد من العقدين معارضة المال بالمال فما
يصلح لمناً في الباعات يصلح أجره في الإجازات ومالا فلا وهو ان تكون الأجرة مالا منقوماً معلوماً
وغير ذلك²⁸

کرایہ داری کے معاملات میں اجرت کو بیع کے معاملات میں شمن پر قیاس کیا جائیگا کیونکہ دونوں عقدوں میں سے ہر ایک مال کا مال کے بدلے
میں حالہ ہے۔ لہذا بیع میں جو چیز شمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہی چیز اجارہ میں اجرت بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے اور جو شمن نہ بن سکے
وہ اجرت بھی نہیں بن سکے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ اجرت مال منقوم اور معلوم ہو، وغیرہ۔

تیسرا اصول

تیسرا اصول یہ ہے کہ مذکورہ بالا اصولوں کی روشنی میں بطور کرایہ جو چیز بھی مقرر کریں گے، یہ چیز پانچ طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ملے ہوگی۔ ہر طریقہ میں کرایہ ادا کرنے

میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

پہلا طریقہ

کرایہ رقم میں ملے کیا جائے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اسمیں حکم یہ ہے کہ

- اگر کسی علاقہ میں ایک ہی قسم کی کرنسی رائج ہے جیسے ہمارے ہاں صرف پاکستانی روپیہ ہی رائج ہے تو اس صورت میں صرف رقم کی تعیین کرنا کافی ہے مثلاً ۵۰۰ روپے ماہانہ وغیرہ۔
- اور اگر کسی جگہ کی قسم کی کرنسیاں رائج ہوں اور سب قیمت اور رواج میں برابر ہوں تو اس میں حکم یہ ہے کہ کرنسی متعین کر دے اور پھر وہ کسی بھی کرنسی کی صورت میں ادا کرنا کافی ہے۔
- اور اگر یہ کئی قسم کی کرنسیاں جو رائج ہیں یہ قیمت میں تو برابر ہوں لیکن ایک کاروان زیادہ اور دوسری کم ہو، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ فریقین کوئی ایک متعین کر لیں، اور اسی طرح اگر رواج برابر اور قیمت میں فرق ہو کہ ایک کرنسی قیمت میں زیادہ اور دوسری کم ہو تو بھی حکم یہ ہے کہ فریقین کوئی ایک کرنسی متعین کر لیں ورنہ عقد فاسد ہو جائیگا۔

²⁸ الكاساني، علاء الدین ابی بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1998، ج 4، ص 195



دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کرائے میں رقم متعین نہ ہو بلکہ کوئی اور قیمتی چیز لے کر لی جائے۔ چنانچہ اس صورت میں اگر قریب رکھے ہوئے کسی سامان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ سامان بطور کرایہ ادا کروں گا تو بھی درست ہے۔ اور پھر اس میں اس سامان کی تفصیل اور وزن وغیرہ بتانا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً کسی کرایہ دار نے کہا یہ فرنیچر کا سامان آپ کے مکان کا کرایہ ہے، وغیرہ تو یہ درست ہے۔

تیسرا طریقہ

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کرایہ میں کوئی سامان یا دیگر اشیاء مثلاً کپڑے یا بستر وغیرہ زبانی طور پر مقرر کیا ہو اس کی طرف اشارہ نہ تو یہ بھی درست ہے مگر اس میں حکم یہ ہے کہ اس کی پوری تفصیل واضح کرے کیا ہوگا؟ کتنی مقدار ہوگی؟ کیا اوصاف ہوں گے؟ کب ادا کریں گے؟ وغیرہ۔ وغیرہ۔

چوتھا طریقہ

چوتھا طریقہ ہے کہ باور کرایہ کوئی ایسی چیز مقرر کی جائے جسکی خرید و فروخت تول کر ہوتی ہو، جیسے گندم، چاول، پینے دغیرہ یا ناپ کر ہوتی ہو جیسے دہی گھی، دودھ وغیرہ۔ یا گفٹی کر کے ہوتی ہو اور وہ چیز آپس میں قریب قریب ایک جیسی ہو مثلاً جیسے اخروٹ وغیرہ ایسی چیزیں بھی کرائے میں مقرر کرنا جائز ہے، مگر اس میں ضروری ہے کہ اس کی مقدار اور صفت وغیرہ بیان کر دی جائے۔ پھر یہ چیز مالک مکان کو ادا کرنے میں اگر کچھ محنت اور خرچ کرنا پڑتا ہو تو پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ کسی جگہ ادا کرے گا صابن رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں اور اگر پہنچانے میں خرچ اور محنت نہ ہو تو ادا کرنے کی جگہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پانچواں طریقہ

پانچواں طریقہ یہ ہے کہ کرایہ کے طور پر کوئی جانور مثلاً بکری وغیرہ مقرر کر لے یہ بھی درست ہے۔ مگر اس میں حکم یہ ہے کہ متعین کر کے بتائے کہ یہ بکری یا یہ گائے کرایہ میں دوں گا۔ جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

ما صح لمنأ صح أجرة) ای ما جاز أن يكون لمنأ في البيع جاز أن يكون أجرة في الأجرة لان الأجرة لمن المنفعة فتعتبر يلمن المبيع ومراة من الثمن ما كان بدلا عن شئ قد خل فيه الاعيان فان العين تصلح بدلا في المقابضة فتصلح أجرة، وإشار المصنف الى انها لو كانت الأجرة دراهم او دنائرا تصرفت الى غالب نقد البلد فان كانت الغلبة مختلفة فالأجرة فاسدة مالم يبين نقدا منها ، فان بين . جاز فانها لو كانت كيليا او وزد نيا او عددياً متقارباً فالشرط فيه بيان القدر والصفة ويحتاج فيه الى بيان مكان الايفاء اذا كان له حمل و متونة عند ابي حنيفة وان لم يكن له حمل و مدونة فلا يحتاج الى بيان الايفاء وعندهما ليس بشرط ولا يحتاج الى بيان الاجل فان بين جاز وثبت ، وانها لو كانت لبابا او عرضاً فالشرط فيه بيان القدر والاجل والصفة لانه لا يثبت ديناً في الذمة الا من جهة السلم . هذا كله اذا لم بشر اليها فان اشار فهي كافيها ولا يحتاج الى بيان القدر والوصف والاجل وانها لو كانت حيواناً فلا يجوز الا ان يكون معيناً²⁹

ترجمہ: "(جس چیز کا ثمن بنا صحیح ہے اس کا اجرت میں دیا جانا بھی صحیح ہے) یعنی جو چیز جائز ہے کہ بیع میں ثمن واقع ہو، جائز ہے کہ وہ چیز اجارہ میں اجرت ہو۔ کیونکہ اجرت منفعت کا ثمن ہوتی ہے لہذا اس کو بیع کے ثمن پر قیاس کیا جائیگا۔ اور یہاں پر ثمن سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی چیز کا بدل ہو اس لئے اس میں ثمن چیز میں شامل ہیں۔ کیونکہ عین چیز تبادلہ میں بدل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لہذا وہ اجرت بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر اجرت (کرایہ) درہم یا دینار ہوں تو انکو شہر کی مشہور کرنسی کی طرف پھیرا جائیگا۔ اور اگر یہ شہر اور غالب مختلف ہو تو پھر یہ اجارہ فاسد ہو گا جب تک ان میں سے نقد کو بیان نہیں کرے گا۔ لیکن اگر بیان

²⁹ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2018ء، ج4، ص298



کر دیا تو جائز ہو جائیگا۔ پھر اگر وہ (اجرت یا کرایہ) کوئی کیلی، وزنی یا متقارب عددی چیز ہو تو اس میں مقدار اور صفت بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر اس چیز میں بوجھ اور مشقت بھی ہے، تو امام صاحب کے ہاں اس میں پہنچانے کی جگہ بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر اس میں بوجھ اور مشقت نہیں ہے تو پھر اس کے پہنچانے کی جگہ بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ مگر صاحبین کے نزدیک یہ بتانا شرط نہیں ہے اور اس میں مدت بیان کرنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر بیان کر دے تو جائز ہے اور ثابت ہے۔ اور اسی طرح وہ (اجرت یا کرایہ جو طے ہوا ہے) کپڑے یا سامان ہو تو پھر اس میں مقدار، مدت اور صفت بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ذمہ میں بطور دین کے ثابت نہیں ہوتیں سوائے "بیع سلم کے معاملہ کے، یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب اس نے اسکی طرف اشارہ نہ کیا ہو۔ لہذا اگر اس نے اشارہ کیا ہے تو یہ کافی ہے اور پھر اس میں مقدار، وصف اور مدت بتانے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر وہ حیوان ہو (جو کرایہ میں مقرر کیا ہے) تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ متعین ہو۔

خلاصہ

کرایہ داری کا معاہدہ ایک باہمی اتفاق پر مبنی عقد ہے جو مؤجر (مالک) اور مستاجر (کرایہ دار) کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق، معاہدے میں شفافیت اور دیانت داری بنیادی اصول ہیں تاکہ کسی بھی فریق کے ساتھ نا انصافی نہ ہو۔ کرایہ داری میں فریقین کے اختیارات واضح ہونا ضروری ہے، جیسے کہ مؤجر کو کرایہ کی بروقت وصولی اور جائیداد کی حفاظت کا حق حاصل ہوتا ہے، جبکہ مستاجر کو متعین مدت تک جائیداد کے استعمال کا حق دیا جاتا ہے۔ اجرت کی شرعی اہمیت اس حدیث نبویؐ سے واضح ہوتی ہے: "مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کرو۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ کرایہ اور اجرت کے معاملات میں تاخیر اور دھوکہ دہی سے اجتناب کیا جائے۔ کرایہ داری کے اصول و ضوابط میں چند بنیادی نکات شامل ہیں، جیسے کہ معاہدے کا تحریری ہونا، کرایہ اور مدت کا تعین، اجرت کی بروقت ادائیگی، اور ملکیت کی قانونی حیثیت۔ اس کے علاوہ، شریعت میں غیر اخلاقی یا غیر قانونی سرگرمیوں کے لیے کرایہ پردی گئی جگہ کے استعمال کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق کرایہ داری کے معاہدے کی پاسداری فریقین کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے اور ایک منصفانہ اور پائیدار معاشی نظام کی بنیاد رکھتی ہے۔

مصادر و مراجع

1. القرآن
2. قانون کرایہ داری، سندھ ترجمہ و تشریح از: ذکاء علی ایڈووکیٹ، دی آئیڈیل پبلشرز، 2017
3. الشف فی الفتاویٰ، شیخ ابوالحسن علی بن حسین محشی محمد نبیل الحصلی۔ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی، 2011
4. العسقلانی، حمد بن علی بن حجر فتح الباری، مکتبہ السلفیہ، 2012
5. وجہ الزحلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، حافظی بکڈ پو دیوبند، کراچی، 2017
6. البزازی، محمد بن محمد شہاب بن یوسف الکردی، الفتاویٰ البزازیہ والجامع الوجیز، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2003
7. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2022
8. الحصفی، محمد بن عبد اللہ بن احمد، الدرۃ المختار، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1996
9. ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2018
10. الکاسانی، علاء الدین ابی بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1998
11. مہدوی، سید نجم الدین، تنویر الابصار، مکتبہ امدادیہ، ملتان، 2021
12. المرغیان، برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر، الہدایہ، مکتبہ رحمانیہ، 2020
13. الجالی، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم، مجمع الانہر، دار کتب العلمیہ، 2017
14. محمد امین بن عمر الشہیر مابن عابدین، فتاویٰ شامی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2016



15. جماعتی، مولانا شیخ نظام، الفتاویٰ الہندیہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 2003
16. عثمانی، محمد تقی، سلام اور جدید معیشت و تجارت، ناشر: معارف القرآن کراچی، 2019
17. ترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان، 1999

Bibliography

1. Law of Tenancy, Sindh – Translation and Explanation by: Zaka Ali Advocate, The Ideal Publishers, 2017.
2. Al-Thaf fi Al-Fatawa – Shaykh Abu Al-Hasan Ali bin Hussain, Annotated by Muhammad Nabil Al-Jassali, H.M. Saeed Company, Karachi, 2011
3. Al-Asqalani, Ahmad bin Ali bin Hajar, Fath Al-Bari – Maktabah Al-Salafiyyah, 2012
4. Wahbah Al-Zuhayli, Al-Fiqh Al-Islami wa Adillatuh – Hafizi Book Depot, Deoband, Karachi, 2017
5. Al-Bazzazi, Muhammad bin Muhammad bin Shihab bin Yusuf Al-Kurdi, Al-Fatawa Al-Bazzaziyyah (Al-Jami' Al-Wajeez) – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2003
6. Bukhari, Muhammad bin Ismail, Sahih Al-Bukhari – Maktabah Rahmaniyyah, Lahore, 2022
7. Al-Hasakafi, Muhammad bin Abdullah bin Ahmad, Al-Durr Al-Mukhtar – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 1996
8. Ibn Najim, Zain Al-Din bin Ibrahim bin Muhammad, Al-Bahr Al-Raiq – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2018, Vol. 8, p. 29 Al-Kasani, Ala al-Din Abu Bakr bin Masood, Badai' Al-Sanai' fi Tartib Al-Sharai' – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 1998
9. Mahdavi, Syed Najmuddin, Tanwir Al-Absar – Maktabah Imdadiyyah, Multan
10. Al-Marghinani, Burhan Al-Din Abu Al-Hasan Ali bin Abi Bakr, Al-Hidayah – Maktabah Rahmaniyyah, 2020
11. Al-Jalabi, Ibrahim bin Muhammad bin Ibrahim, Majma' Al-Anhar – Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, 2017
12. Muhammad Ameen bin Umar, known as Ibn Abidin, Fatawa Shami – Zia-ul-Quran Publications, Karachi, 2016
13. Jama'ati, Maulana Sheikh Nizam, Al-Fatawa Al-Hindiyya, Dar Al-Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2003
14. Usmani, Muhammad Taqi, Salam and Modern Economy & Trade, Publisher: Ma'arif Al-Qur'an, Karachi, 2019
15. Tirmidhi, Imam Abu Isa Muhammad bin Isa, Jami' Tirmidhi, Dar Ihya Al-Turath Al-Arabi, Beirut, Lebanon